صفت سلام اور حمید کی شان

ساری دولتیں دے کر بھی اللہ ملے تو اچھا سودا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 / جون 1995ء بمقام بیت النور نسپٹ ہالینڈ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۴﴾

(الحشر: 24)

پھر فرمایا:۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ ہالینڈ کا سولہواں جلسہ سالانہ منعقد ہو رہا ہے اور کل انشاء اللہ تعالیٰ جماعت UK کی مجلس شوریٰ اور وہ بھی سولہویں مجلس شوریٰ منعقد ہوگی۔ امیر صاحب کی طرف سے تاکیدی پیغام ملا ہے کہ وہ چونکہ میری وہاں عدم موجودگی کو محسوس کریں گے۔ اس لئے ان کے لئے کچھ دلداری کا انتظام ہونا چاہئے پس آج کے خطبہ میں جہاں جماعت احمدیہ ہالینڈ کو مخاطب ہوں وہاں مجلس شوریٰ UK کو بھی مخاطب ہوں اور آج ہی انشاء اللہ یا کل صبح یہاں سے یہ ویڈیو کیسٹ وہاں پہنچا دی جائیں گی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس پیغام کو ویڈیو میں دیکھ بھی سکیں اور سن بھی سکیں گے۔

اس مضمون کا جو میں آج چھیڑنے لگا ہوں صفات باری تعالیٰ سے ہی تعلق ہے اور حقیقت یہ

ہے کہ ہر مضمون کا صفات باری تعالیٰ سے تعلق ہے۔ تمام نظام کائنات صفات باری تعالیٰ سے پھوٹتا ہے اور کوئی بھی قانون قدرت ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس کا کسی اسم الٰہی یا صفت الٰہیسے تعلق نہ ہو۔ تو نظام جماعت بھی صفات باری تعالیٰ ہی کا ایک انعکاس ہے اور وہ اسی وقت تک زندہ ہے اور اسی وقت تک روحانی ہے جب تک صفات باری تعالیٰ سے ایک رسمی نہیں بلکہ حقیقی تعلق قائم رکھتا ہے۔ اس ضمن میں مَیں گزشتہ خطبے میں جو ''سلام'' کی بات کر رہا تھا اسی سے متعلق میں چند مزید باتیں کہوں گا۔

''سلام'' سے مراد ہے مکمل امن، کسی قسم کا خوف نہیں، تسکین قلب، طمانیت قلب، ہر وہ چیز جو ہر خوف سے آزاد کر دے اور آزاد اپنی ذات میں بھی اور اندرونی اندیشوں اور ہیجانوں سے آزاد کر دے۔ اس کا اصل کامل نام ''سلام'' ہے۔ اور سلام کا لفظ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور ذات پر اطلاق نہیں پا سکتا کیونکہ ایک خدا ہی ہے جو ہر خوف سے پاک ہے اور ہر ضرورت سے پاک ہے۔ اس لئے اس کو کوئی خطرہ نہیں کہ کبھی کوئی چیز مجھے چھوڑ کے چلی جائے اور مجھ میں کمزوری واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح وہ صفات کے لحاظ سے بھی کلیۃً امن میں ہے کیونکہ اس کی صفات میں کبھی کوئی ایسی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی جو ایک پرانے خدا کو ایک نئے خدا سے جدا کرنے والی ہو اور یہ کہا جا سکے کہ پہلے تو یہ صفت اس میں بڑی قوت کے ساتھ پائی جاتی تھی اب اس میں کمی واقع ہو گئی اور یہ وہ چیز ہے جو میں نے پہلے بھی بیان کی تھی اللہ کو زمانے سے پاک قرار دیتی ہے اور زمانے سے بالا قرار دیتی ہے۔

ہر دوسرا شخص چاہے بڑی سے بڑی قوت کا مالک ہو اس کی قوت میں انحطاط ہے وہ ایک وقت تک عروج کر رہا ہوتا ہے اور اس عروج کے بعد پھر انحطاط پذیر ہو جاتا ہے۔ جب وہ عروج کر رہا ہوتا ہے تو اس کا ماضی نامکمل رہتا ہے اور ہمیشہ انسان واپس دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تو اتنا کمزور تھا، اتنا کمزور تھا، اتنا کمزور تھا اور رفتہ رفتہ مجھ میں یہ طاقتیں آئیں تو میں مکمل ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تکمیل محض ایک نسبتی چیز ہے وہ کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے طاقت پکڑتا ہے۔ وہ ایک ایسی منزل کی طرف رواں ہے۔ جس کا اسے کوئی علم نہیں کہ کمال کہاں ہے اور کس مقام پر جا کر کمال حاصل ہوگا اور کمال سے پہلے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ پس ہر چیز یا بلند ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے یا زوال پذیر دکھائی دے رہی ہے روز کا سورج بھی ہمیں یہی پیغام دیتا ہے۔ پس نہ سورج کے لئے امن ہے نہ انسانی طاقتوں کے لئے امن ہے جو رفتہ رفتہ ترقی بھی کرتی ہیں اور پھر تنزل بھی

اختیار کرتی ہیں مگر ایک خدا کی ذات ہے جو زمانے کے ان تأثرات سے بالا ہے اور اسے زمانے کی تبدیلیاں چھو نہیں سکتیں۔

اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ''سلام'' کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ سلام وہی ذات ہے جو ہر خطرے سے پاک ہو۔ اندرونی خطرہ ہو یا بیرونی خطرہ ہو۔ اندرونی خطرے کی بات میں نے کھول دی ہے۔ بیرونی خطرے کے لحاظ سے جب تک وہ قادر اور توانا نہ ہو وہ سلام نہیں ہوسکتا۔ جب تک اسے قدرت نہ ہو کہ اگر کوئی چیز اس سے روگردانی کرتی ہے تو وہ اس سے بہتر پیدا کر سکتا ہے اور اگر نہ بھی پیدا کرے تو وہ اپنی ذات میں اس کا محتاج نہیں ہے۔ جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک وہ ذات سلام نہیں کہلا سکتی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو سلام کی تعریف فرمائی ہے اس میں حقیقت میں بہت سی دوسری صفات جلوہ گر دکھائی دیتی ہیں۔ ایک لفظ ''سلام'' میں بکثرت خدا تعالیٰ کی دوسری صفات تعلق رکھتے ہوئے اپنے جلوے دکھاتی ہیں اور اسلام کو سمجھنا ہو تو ''سلام'' کو اس پہلو سے سمجھنا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرہ:132) اے ابراہیم سلام ہو جا، سلامتی میں آجا۔ اَسْلِمْ اپنے آپ کو میرے سپرد کر دے۔ یہ دونوں معنی ایک لفظ اَسْلِمْ میں شامل ہیں۔ اَسْلِمْ کا مطلب ہے سلامتی میں آجا اور دوسرا مطلب ہے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دے۔ عموماً جو لغات ہیں وہ یہ دونوں معنی الگ الگ بیان کرتی ہیں۔ سلام کا ایک مطلب ہے امن اور ایک مطلب ہے سپردگی۔ حالانکہ ایک ہی معنی ہے اس میں دونوں معنی موجود ہی نہیں، ایک معنی کے دو پہلو ہیں۔ کوئی ذات امن میں آ ہی نہیں سکتی جب تک اپنے آپ کو اللہ کے سپرد نہ کر دے اور وہ ذات کو سلام ہے اس کی حفاظت کے بغیر کوئی نہ کوئی پہلو انسان کا ایسا ہے جہاں سے وہ خوفزدہ رہے گا۔ صرف سلام ذات ہے جو ہر پہلو سے خوف کے خلاف ایک ایسا قلعہ ہے جس کے اندر خوف داخل ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسا ایک مضبوط حصار ہے جس کے اندر خوف کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

پس جب تک سلام کے ساتھ ایسا تعلق نہ ہو کہ انسان اس کے سپرد اپنے آپ کو کر دے اس وقت تک ہر قسم کے خوف رہتے ہیں اور جتنا زیادہ کوئی سلام کے اندر یعنی اپنے سر کو جھکاتے ہوئے

داخل ہوتا ہے۔ سلام سے مراد خدا ہے اور جب میں کہتا ہوں سلام کے اندر داخل ہوتا ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ قرآنی محاورہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا (العنکبوت:70) جو ہمارے اندر جدوجہد کرتے ہیں۔ تو مراد یہ نہیں کہ اللہ کی کوئی ایسی جگہ ہے جس میں انسان داخل ہو رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ میں ڈوب رہا ہے اور صفات باری تعالیٰ میں اپنے آپ کو غرق کرتے چلے جانا اور دنیا سے بظاہر غائب اور صفات میں گہرا اندرونی سفر اختیار کرنا یہی دراصل جَاهَدُوْا فِيْنَا کا معنی ہے کہ جو لوگ ہمارے اندر جدوجہد کرتے ہیں ہم خود ان کو پکڑ کر ان کی ہدایت کے سامان کرتے ہیں۔

تو سلام کے پہلو سے یاد رکھنا چاہئے کہ سلام میں بھی جب تک خدا یعنی سلام کی ذات میں مومن اپنے آپ کو غائب نہیں کرتا اس وقت تک جس پہلو سے اس نے اپنے آپ کو الگ رکھا ہوا ہے وہ پہلو اس کا خطرے میں ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے میں چونکہ انہوں نے امین خدا کے تعلق سے اپنے آپ کو امانت دار بنایا تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے سپرد خزانے کئے ان کے سپرد وہ بھائی کر دیئے جو ان کو بد دیانت سمجھتے تھے اور ہر ایک دنیا والے کی گردن ان کے سامنے جھکا دی۔ بالکل یہی مضمون حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَسْلِمْ ۔ ابراہیم نے کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں تو پہلے ہی فرمانبردار ہوں۔ جب آگ میں جھونکنے کا وقت آیا تو اس وقت خدا تعالیٰ نے جو آگ سے مخاطب ہو کے فرمایا ہے یہ حضرت ابراہیمؑ کے سلام میں داخل ہونے کی سب سے بڑی گواہی ہے۔ يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء:70) کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلام بن جا کیونکہ یہ میرا بندہ ہے، سلام کا بندہ ہے اور سلام کے بندے کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پس وہ لفظ سلام بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے حق میں، ان کے اسلام کے حق میں، اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم دائمی گواہی دے دی کہ واقعی وہ بندہ اس دعوے میں سچا تھا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سلام کے تعلق میں جہاں تک نظام جماعت کا تعلق ہے ہم سلام ہی کو نظام جماعت میں کارفرما دیکھتے ہیں اور اس پہلو سے سلام کا ایک گہرا تعلق غنی سے ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات میں سے

ایک صفت یا اسماء میں سے ایک اسم غنی ہے۔ غنی وہ شخص ہوتا ہے یا وہ وجود ہوتا ہے جس سے اگر کوئی اپنا تعلق توڑ لے یا اپنی مدد اس کو بند کر دے تو اس کی ذات میں ایک ذرہ بھی فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت تعلق توڑنے والا ننگا ہو جاتا ہے اور اس وقت سمجھ آتی ہے کہ دراصل اس کا سہارا اس کو نہیں تھا بلکہ تعلق قائم رکھنے والا اس دھوکے میں مبتلا تھا کہ میری وجہ سے سلام کو کوئی طاقت ملی ہے۔ پس پھر وہ ذات غنی کہلاتی ہے۔ جو سلام ہو وہ غنی بھی ہوگی، جس کو کسی ذات سے، کسی تعلق میں کوئی خطرہ نہیں وہ از خود غنی بھی بن جاتی ہے۔

پس یہ معنی ہیں جو ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات ایک دوسرے سے پھوٹ رہی ہیں ایک پہلو سے ایک صفت دوسری صفت کو پیدا کر رہی ہے دوسری صفت دوسرے پہلو سے پہلی صفت کو پیدا کر رہی ہے ایک دائمی لازم وملزوم کا تعلق ہے۔ جو زاویہ بدلنے سے بہت ہی دلکش رنگوں میں دکھائی دیتا لگتا ہے اور نئے نئے خوبصورت رنگ اس سے پھوٹتے ہیں۔ پس غنی وہ ذات ہے جس کو احتیاج کوئی نہیں اور سلام کے یہ معنی یہاں ہوں گے کہ خدا کی ذات کو اگر تم اس سے تعلق جوڑو گے تو کوئی فائدہ اس حد تک تو نہیں ہوگا کہ تم اسے کچھ دے سکتے ہو اور جب تم تعلق کاٹو گے تو اس سے کچھ لے نہیں سکتے۔ اس کی طاقت سے کچھ نکال نہیں سکتے۔ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ غنی اور مستغنی ان معنوں میں ہے کہ اگر ایک انسان اس سے ساری کائنات جو کچھ بھی ہے وہ مانگ لے جہاں تک اس کا ذہن جا سکتا ہے۔ مانگ لے اور وہ اس کو دے دے تو اس کی خدائی میں اتنا بھی فرق نہیں پڑے گا جتنا ایک سوئی کو سمندر میں ڈبو کے نکالا جائے اور اس کے ناکے سے، کنارہ جو باریک چونچ ہے اس کی، اس سے جتنا پانی چمٹا رہتا ہے وہ سمندروں میں جتنی کمی کر سکتا ہے اتنی کمی بھی خدائی میں نہیں ہو سکتی (مسلم کتاب البر والصلہ حدیث نمبر: 4674) اور اگر کوئی تعلق توڑتا ہے وہ اتنا بھی نقصان اس کو نہیں پہنچا سکتا۔

پس سلام اور غنی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم کا تعلق رکھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جب قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ سلامتی کے ساتھ تعلق جوڑو، سلام میں داخل ہو جاؤ، تو اس کی ایک تعریف فرماتا ہے اور وہ یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: 111) اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لی ہیں اور ان کے

اموال بھی خرید لئے ہیں، ان کے نہیں رہے اور جنت کو جو سلام ہے وہ اس کے بدلے ان کو عطا ہوگی۔ جنت کو سلام کہنا اس لئے درست ہے بلکہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم نے جنت کی تعریف ہی یہ فرمائی ہے کہ وہاں سلام، سلام کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ ''سلاما سلاما'' ہر طرف سلامتی ہی سلامتی ہے۔ پس خدا کے وہ بندے جو وفات پانے لگتے ہیں ان کو بھی یہی فرشتے پیغام دیتے ہیں کہ تم سلامتی میں آرہے ہو۔

پس سلام کا لفظ اطلاق تب پاتا ہے انسان پر جب وہ اس طرح اپنے آپ کو سپرد کرے کہ نہ اس کی جان اپنی رہے نہ اس کے مال اپنے رہیں اور ابراہیم علیہ السلام کو جو مکمل سلامتی نصیب ہوئی وہ اس بات کا قطعی ثبوت تھا کہ آپ نے اپنی جان بھی پیش کر دی اور اپنے اموال بھی پیش کر دیے، اپنا کچھ بھی نہ رہا۔ ایسی صورت میں جب سلام خدا اس کا جواب دیتا ہے تو سب کچھ اس کا ہو جاتا ہے کوئی چیز بھی اس کے دائرہ قدرت سے باہر نہیں رہتی اس کی ہر خواہش خدا پوری فرماتا ہے اور ایسے طریق پر فرماتا ہے کہ انسان کا تصور بھی ان باتوں کو نہیں پہنچ سکتا۔ نہ دنیا میں اس کا کچھ رہتا ہے، نہ دین میں اس کا کچھ رہتا ہے، نہ روحانی طاقتوں کے لحاظ سے، نہ قلبی طاقتوں کے لحاظ سے جو کچھ بھی انسان خرچ کرتا چلا جاتا ہے اللہ اسے اور بڑھا کر عطا کرتا چلا جاتا ہے۔

پس سلام ان معنوں میں بھی ہے کہ اس کو جو دو گے وہ ضائع نہیں ہوسکتا۔ ہر دوسری چیز ضائع ہوسکتی ہے مگر جو خدا کے سپرد کیا جائے وہ کبھی ضائع نہیں ہوسکتا۔ ہر دوسری چیز کم ہوسکتی ہے مگر جو خدا کے سپرد کیا جائے وہ کم کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس ''سلام'' کا تعلق رحمانیت اور رحیمیت سے بھی ہے اور یہ مضمون چونکہ پھر زیادہ وسیع ہو جائے گا۔ اس لئے میں مختصراً اسی حوالے سے رحیمیت سے اس کا تعلق بتاتا ہوں کہ زمیندار جو بیج پھینکتا ہے، جو کوئی دانہ مٹی میں ملا دیتا ہے، رحیم خدا اس میں سے کچھ بھی نہیں رکھتا بلکہ جو رکھتا ہے اس سے بہت زیادہ عطا کر دیتا ہے۔ جو رکھتا ہے دراصل وہ نقص والے دانے کو رکھ لیتا ہے۔ اسے واپس نہیں کرتا کیونکہ نقص والے دانے اگر پھوٹیں تو نقص والے بیمار بیج پیدا کریں گے۔ ان میں سے صحت مند کو اختیار فرماتا ہے اور صحت مند کو پھر اتنا بڑھا دیتا ہے کہ اس کے مقابل پر جو دانے رکھے گئے ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ یہی نظام ہے جو پیدائش اور تولد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ارب ہا ارب جراثیم بظاہر ضائع ہو رہے ہیں اور ان کے بدلے انسان جو ازدواجی

تعلقات میں منسلک ہو کچھ بھی نہیں ملتا لیکن لوگوں کو یہ علم نہیں کہ خدا کا یہ نظام وہاں بھی کارفرما ہے کہ ہمیشہ اس کو واپس کرتا ہے اولاد کی صورت میں جو سب سے اعلیٰ ہو یعنی اس مادے کے اندر جتنے بھی جراثیم ہیں ان کی دوڑ کرواتا ہے، ان کا مقابلہ کرواتا ہے۔ ان میں سے جو کمزور ہیں، جو ناقص ہیں وہ وہاں اس مقام تک پہنچ ہی نہیں سکتے جہاں جا کر پھر بچے کی شکل اختیار کرنی ہے اور جو پہنچ جاتے ہیں غلطی سے یا کسی آدمی میں کمزور ہی کمزور ہوں سب جرثومے تو پھر وہ پنپتے نہیں۔ پنپیں گے تو بیمار بچے کو پیدا کریں گے لیکن اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو بیمار بچے کی صورت میں بھی ہمیں دکھائی دے رہا ہے۔ بیمار بچہ پیدا کرنے کا نقص خدا کا نہیں، قانون قدرت کا نہیں۔ وہ جو کچھ بھی گیا تھا اس میں سے سب سے اچھا وہ بھی بیمار ہی تھا تو اسے لوٹا کر ہمیں سبق دیا گیا کہ تمہارے اندر زیادہ سے زیادہ جو صلاحیت تھی وہ یہ تھی اور اس صلاحیت کو کم سے کم اس شکل میں دے دینا کہ وہ باہر نکل کر ایک آزاد زندگی اختیار کر سکے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم ہے ورنہ تمہاری صلاحیت سے یہ بات بڑھ کر تھی۔

پس جو یہ نظام ہے کہ خدا رکھتا نہیں واپس کرتا ہے یہ تمام کائنات پر حاوی ہے۔ اس میں کوئی استثناء نہیں ہے جو رکھتا ہے اس سے بہتر واپس کرتا ہے اور جو رکھتا ہے اس کے رکھنے میں زائد فضل ہے۔ پس جتنے بھی بیج ہیں یا پھل نشوونما پاتے ہیں یا کائنات میں زندگی میں جتنی بھی زندگی کی قسمیں ہیں یہ امتحانات میں آزمائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ہمیشہ جو سب سے بہتر ہو وہ نشوونما پا کر آئندہ زمانے میں اس جنس کی نمائندگی کا حق حاصل کرتی چلی جاتی ہے یہ ایک نظام ہے کوئی اتفاقی حادثہ نہیں۔ پس ڈارون نے جب کہا کہ Survival of the fittest تو اس کو کچھ بھی نہیں پتا تھا کہ Fittest ہوتا کیا ہے۔ اس نے Survival of the fittest کو اتفاقی حادثات یا موسمی حادثات کا نتیجہ قرار دیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ Fittest کا نظام اتنا گہرا ہے اور اتنا باریک در باریک کہ اگر آپ سارے اس نظام پر غور کریں تو اتفاقی حادثہ کے نتیجے میں Fittest کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اتفاقی حادثات کے نتیجے میں اکثر گندے اور بیمار اور ناقص وجود اوپر آئیں گے اور شاذ کے طور پر کوئی اچھا وجود اوپر ابھرے گا۔ مگر یہ بحث طویل ہے اس کو میں چھوڑتا ہوں۔

اتنا اشارہ کافی ہے کہ ''سلام'' کے دائرے میں جب آپ داخل ہو جاتے ہیں اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرتا دیتے ہیں۔ تو پھر آپ کی ہر چیز کا نگہدار وہی بن جاتا ہے۔ ہر خطرے سے آپ کو

بچاتا ہے آپ کے اندرونی نقص پر بھی نظر رکھتا ہے کیونکہ آپ نے اندرونی طور پر بھی اپنے نفس کو ترک کر کے اس کے حضور سر تسلیم خم کر دیا۔ تو ایسا شخص جو سلام کے تعلق میں آ جائے سلام کی چادر اوڑھ لے۔ اس کو پھر کوئی خطرہ نہیں۔ اس کے تمام کام پھر اللہ خود بناتا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کی مثال میں نے دی تھی۔ تو سلام کی تعریف اللہ نے یہ فرمائی اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ کہ مومنوں سے خدا نے ان کی جانوں کا بھی سودا کر لیا ہے ان کے اموال کا بھی سودا کر لیا ہے اور چونکہ وہ سلام ہے اسلئے غنی ہے۔ نظام جماعت کو کوئی شخص اپنی مدد کا ہاتھ کھینچ کر یا اپنی دولت واپس لے کر یا مالی مدد سے ہاتھ اُٹھا کر ایک ادنیٰ ذرہ بھر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہاں اپنا نقصان کرے گا۔

پس مجلس شوریٰ جو UK میں منعقد ہو رہی ہے۔ میں ان کو پوری طرح حوصلہ دلاتا ہوں کہ اپنے طور پر وہی کریں جو خدا کرتا ہے یعنی سلام کے جو طور اور انداز ہیں وہ اختیار کریں۔ ناقص بیج کو بے وجہ اس خوف سے کہ ہمارے اندر کمی نہ آئے اوپر نہ لائیں اور جو اچھا ہے آپ کی نظر میں چاہے کمزور بھی ہو اگر تقویٰ رکھتا ہے اور خدا کی سلامتی کی تعریف میں داخل ہے اس کے اوپر اعتبار کریں تمام برکتیں ایسے عہدیداران میں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کیا ہوا ہے کیونکہ ان کے گرد خدا کی سلامتی کا دائرہ ہے جو ان کی حفاظت کر رہا ہے، ان کے گرد خدا کی سلامتی کی ایک فصیل ہے جو ان کو ہر خطرے سے بچائے ہوئے ہے۔ پس ایسے لوگ جب نظام جماعت میں کام کرتے ہیں تو ان کے کاموں میں بھی وہی سلامتی کی برکتیں ملتی ہیں۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ تو دنیا داری ہے جو آپ لوگ چندوں پہ زور دیتے ہیں۔ چندہ نہ دیا جائے یا کمزوری دکھائی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ تم ووٹ نہیں دے سکتے۔ یہ بھی دراصل ان کا تکبر ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جب وہ چندہ دیتے ہیں تو اللہ کو اس کی کوئی حرص نہیں ہے۔ دو اصول پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ اللہ اگر چاہتا تو اپنے نظام کو کبھی بندے کی احتیاج سے اس طرح بھی کلیۃً پاک کر سکتا تھا کہ کسی سے چندہ مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے وہ جہاں سے چاہتا اور جس طرح چاہتا اپنے نظام کی ضرورتیں پوری فرما سکتا تھا۔ پھر چندے کا نظام کیوں ہے؟ اس لئے کہ سپردگی کا امتحان ہے اور بغیر اس امتحان میں کامیاب ہوئے کوئی شخص سلامتی میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سپردگی میں جان بھی ہے اور مال بھی۔ پس جب خدا کہتا ہے کہ تم سے

میں نے سپردگی کا سودا کیا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ہر شخص از خود ہی اس میں پاس ہوتا چلا جائے اس کا کوئی امتحان نہ ہو۔ پس خدا مال لیتا ہے اس امتحان کی وجہ سے واقعۃً تم نے سپرد کیا ہے یا نہیں کیا۔ اگر سپرد کر بیٹھے ہو تو پھر اگلا قدم یہ ضمانت کا ہے کہ چونکہ تم سلامتی کے امتحان میں پورا اترے اور آپ کو مالی لحاظ سے بھی خدا کے سپرد کر دیا اس لئے اب سے تمہارے مال کی حفاظت کا ذمہ دار خدا ہے۔ تمہاری ساری ضرورتیں وہ پوری کرے گا۔ تمہیں ہر نقصان سے بچائے گا اور وہ لوگ جو اپنا تجربہ رکھتے ہیں اور دوسروں کا بھی تجربہ رکھتے ہیں جو جماعت احمدیہ کی تاریخ سے واقف ہیں وہ قطعی طور پر خدا کے پاک ناموں کی قسمیں کھا کر یہ گواہی دے سکتے ہیں کہ اس وعدے میں خدا ہمیشہ سچا نکلتا ہے کبھی اپنی راہ میں خلوص کے ساتھ قربانی کرنے والوں کو ذلیل ورسوا نہیں کرتا بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگ جو ولی بن جاتے ہیں۔ یہ ولی بھی ایسے لوگوں کی تعریف ہے جو اپنے آپ کو سپرد کر دیتے ہیں تو انبیاء سے نیچے وہ ولی کہلاتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ولیوں کی اولاد کو سات پشتوں تک بھوکا نہیں رکھتا اور سات پشتوں تک ان کو دوسرے کے سامنے ذلیل اور رسوا نہیں ہونے دیتا لیکن اس ضمن میں بعض استثناء بھی دکھائی دیتے ہیں۔ وہ کیوں ہیں۔ اس بحث کو میں یہاں نہیں چھیڑنا چاہتا۔ غالباً میں نے اپنے ایک پرانے خطبہ جمعہ میں اس مضمون پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔

اب میں واپس آتا ہوں اس طرف کہ جماعت احمدیہ کو جو ضرورت ہے وہ ضرورت اللہ نے پوری کرنی ہے اور نظام جماعت ''سلام'' میں داخل ہے۔ اگر نظام جماعت کا کوئی نمائندہ اس وجہ سے کسی شخص سے نظام کے خلاف رعایت کا سلوک کرتا ہے، سمجھتا ہے کہ اس کی ضرورت ہے اس کے سامنے جھکنا چاہئے، وہ امیر ہے، وہ صاحب ثروت ہے، وہ سیاسی لحاظ والا ہے۔ اس لئے اس کے سامنے اگر نظام بعض باتوں سے آنکھیں بند کر لے اور اس کے فوائد پر نظر رکھتے ہوئے اس سے نرمی کا سلوک کرے تو یہ شرک ہے، یہ سلام کے مضمون کے خلاف ہے۔

جہاں تک قانون کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ قانون میں اگر کوئی شخص صرف نظر کرتے ہوئے اندرونی خطروں کے نتیجے میں جو اس دل میں کہیں نہ کہیں پنپ رہے ہیں۔ اس ڈر سے کہ اس بڑے آدمی سے اگر نظام جماعت کا عام سلوک کیا گیا تو یہ منہ موڑ لے گا۔ اس کی اولاد چلی جائے گی، اس کا جتھہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ جب کوئی شخص ایسی بات سوچتا ہے تو مشرک ہو جاتا

ہے۔اس کا حضرت ابراہیمؑ، ابراہیمی سلام سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں رہتا۔ پس بعض دفعہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے معاملات میں میں سختی کرتا ہوں حالانکہ میری طبیعت میں سختی نہیں ہے مگر میری مجبوریاں ہیں میں اس بات پر مامور کیا گیا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی صفات حسنہ کے تابع نظام جماعت رکھوں ورنہ یہ نظام تمام برکتوں سے محروم رہ جائے گا۔اس لئے اس کے معاملے میں میرے دل میں کوئی رعایت نہیں ہے۔کوئی خوف نہیں ہے۔

بارہا ایسا ہوا کہ بعض بظاہر دنیا کے لحاظ سے بڑے آدمیوں نے غلطی کی، ان کی اولادوں نے ایسی غلطی کی جن کے نتیجے میں ان کو سزا ملنی چاہئے تھی اور سفارشیں بھی آئیں کہ یہ تو بڑے خاندان کے سربراہ لوگ ہیں، بہت امیر لوگ ہیں، بہت بااثر لوگ ہیں۔ان سے صرف نظر کیا جائے تو بہتر ہے نظام جماعت کے لئے بہتر ہے۔ان کو میں نے لکھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس اہل نہیں ہو کہ تم جماعت احمدیہ کی ذمہ داریاں ادا کرو۔جس وقت تم اس شرک میں مبتلا ہوئے کہ کچھ چوہدری اتنے بڑے ہیں، کچھ ٹھیکیدار اتنے بڑے ہیں، کچھ سیاست دان ایسے بڑے بڑے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ نرمی نہ کی گئی تو سارے علاقے میں احمدیت کو نقصان پہنچے گا اسی وقت اور نظام جماعت جہاں تک تعلق ہے اس کو خدا پر چھوڑ۔اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے کیسے، کہاں کہاں سے نظام جماعت پر فضل فرمائے ہیں۔اس کی خاطر اس کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتے ہوئے اگر آپ نظام کی حرمت اور اس کے وقار کی حفاظت پر مستعد رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود آپ کی بھی حفاظت فرمائے گا اور نظام جماعت کو ہر خطرے سے بچائے گا اور ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔

پس آج تک کبھی میں نے نظام جماعت کو کسی کا محتاج نہ سمجھا نہ کسی کو اجازت دی کہ وہ اس طرح سمجھ کر محتاج ہونے دے اور ایک ذرہ بھی پرواہ نہیں کی کہ نظام جماعت میں، عمل داری میں کوئی شخص شاکی ہو کر ناراض ہو کر منہ موڑتا ہے، مدد سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے یا اپنی اولاد کو برباد کرتا ہے۔کرتا ہے تو وہ ذمہ دار ہے لیکن خدا کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آسکتی اور جہاں بھی ایسا واقعہ ہوا ہے وہاں ساری جماعت کی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو ذلیل و رسوا کر دیا، ان کے سارے تکبر توڑ دیئے اور جماعت پہلے سے بہت بڑھ کر ترقی کر چکی ہے اور کرتی چلی جارہی ہے۔

پس نظام جماعت کا جہاں تک تعلق ہے اس کا احترام ہالینڈ میں بھی اسی طرح لازم ہے

جس طرح UK میں لازم ہے اور مجلس شوریٰ کے دوران خاص طور پر اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ وہی سلسلے کے مخلصین آگے آئیں جو اگر اپنی سپردگی میں یعنی سلامتی میں کامل نہ بھی ہوں تو کم سے کم سلامتی کی طرف سفر اختیار کر چکے ہیں۔ انچ انچ، ذرہ ذرہ، کچھ نہ کچھ اس طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہی جو اس لائق ہیں کہ خدا کی سلامتی کے نظام میں یعنی اسلام میں ان کو نمائندگی ملے، ان کو خدمت کے مواقع ملیں اور انہی کی خدمتیں ہیں جو برکت کا موجب ہوں گی باقی خدمتوں کی ہمیں کوئی بھی پرواہ نہیں ہے لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ خدمتوں کی پرواہ نہیں تو یہ مراد نہیں ہے کہ ان لوگوں کی پرواہ نہیں۔ اس سلسلے میں میں قرآنی آیات کے حوالے سے کچھ مزید آخر پر جا کر یہ مضمون کھولوں گا۔

اب میں قرآن کریم کی وہ آیات جہاں لفظ غنی کا استعمال ہوا ہے اور سلامتی کے تعلق میں ہمیں یہ لفظ کیا پیغام دیتا ہے وہ پڑھ کر آپ کو سناتا ہوں۔ سورۃ فاطر آیت 16 میں ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اے بنی نوع انسان یاد رکھو کہ تم فقیر ہو اللہ کے حضور وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اور اللہ ہی ہے جو غنی بھی ہے اور حمید بھی ہے۔ غنی اگر کوئی حقیقت میں ہو تو وہ ہر چیز کا مالک ہوتا ہے اور ہر چیز اس کی ہو جاتی ہے، اس کی ہو تو وہ غنی کہلا سکتا ہے اگر کوئی چیز اس کی نہ ہو تو اس کی طرف اس کی نظر ہوگی اور جس کی کسی ایسی چیز کی طرف نظر ہو جو اس کی نہیں ہے وہ غنی نہیں کہلا سکتا۔ پس مومن پھر کیسے غنی بنے۔ جب سب کچھ خدا کا ہے اور بندے کا یا تمام انسانوں کا بحیثیت مجموعی یعنی اجتماعی طور پر یا انفرادی طور پر کچھ بھی نہیں ہے تو خدا کی اس صفت کی پیروی کیسے کی جاسکتی ہے کیسے اس صفت سے تعلق جوڑا جا سکتا ہے؟

اس مضمون کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرما۔ الغنی غنی النفس کہ مومن کا جہاں تک تعلق ہے اس کی غنا نفس کی غنا سے پیدا ہوتی ہے یعنی احتیاج کے باوجود اگر وہ غیر اللہ سے اپنے آپ کو اس طرح بالا کر دے کہ اس کی کوئی اچھی چیز کی بھی حرص اس کے دل میں پیدا نہ اس کے مال اور دولت اس کے دل پر رعب نہ پیدا کر سکیں۔ اس کی کوٹھیاں، اس کی کاریں، اس کی رہائش کے انداز، اس کے دبدبے، اس کے سیاسی تعلقات، اس کی عقل، اس کا علم کوئی چیز بھی اس پر ایسا رعب نہ ڈال سکے کہ اسے احساس محرومی ہو کیونکہ وہ جب اللہ کا ہو چکا ہے تو یہ احساس کہ میں سلام کا نمائندہ ہوں یہ اسے ہر دوسری چیز سے مستغنی کر دیتا ہے اور ہر حال میں اپنے رب کے حضور راضی رہنے

پر اس کو طمانیت قلب نصیب کرتا ہے۔ایک راضی رہنا جو منہ سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح بھی اللہ کی مرضی ہم راضی ہیں لیکن دل بے چین رہتے ہیں۔لوگ اپنے عزیزوں سے جو وفات پا جاتے ہیں جدائی کا صدمہ محسوس کرتے ہیں۔ ہر وقت آگ لگی رہتی ہے لیکن منہ سے یہی کہتے ہیں کہ اچھا پھر جس طرح خدا کی رضا اسی میں ہم راضی اور بعض لوگ مہلک بیماریاں لگا بیٹھے ہیں۔غم اپنی ذات میں تو کوئی گناہ نہیں شرک نہیں ہے۔آنحضرت ﷺ بھی رحمت اور شفقت کے نتیجے میں روتے تھے۔اپنے بچے کی جدائی پر بھی آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے مگر جب کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ! آپؐ نے فرمایا، یہ رحمت کی نشانی ہے اس میں اس بچے کے لئے کوئی ایسا احتیاج نہیں ہے کہ یہ ہاتھ سے گیا تو میں بے چین ہو گیا لیکن ایک رحمت ہے اور جس کا رحمت سے حصہ نہیں اس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ محروم ہے۔

پس رحمت کا مضمون اور غنا کا مضمون ایک تعلق رکھتا ہے اور اسی مضمون کو میں آگے جا کر قرآنی آیت کے حوالے سے کھولوں گا۔سر دست میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم فقیر ہو اللہ غنی ہے اور حمید ہے یعنی خدا کو تمہاری احتیاج بالکل نہیں ہے لیکن حمید ہے وہ قابل تعریف ہے۔اس کے دو معنی بنتے ہیں ایک یہ کہ اس کی صفات حمیدہ اس بات کا تقاضا کر رہی ہیں کہ تم سے پیار کرے، تم سے تعلق جوڑے، تمہاری نگہداشت کرے، اس لئے نہیں کہ خدا تمہارا محتاج ہے بلکہ اس کی صفات حمیدہ از خود اس کے اندر جھک کر اپنی کمزور مخلوقات سے تعلق رکھنے پر اس کو آمادہ کرتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ وہ اتنا غنی ہے کہ اگر تم تعریف روک لو اور ناشکری کا اظہار کرو تو ایک ذرہ بھی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ جو اپنی ذات میں حمید ہو اس کے اندر ایک ایسی عظمت کردار پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دوسروں کی نظر سے بھی مستغنی ہو جاتا ہے، ان کو پتا لگے نہ لگے وہ مستغنی ہے۔

اب لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں نے پہلے بھی محاورہ آپ کے سامنے رکھا تھا، پنجابی کا ہے لیکن ہے اچھا دلچسپ محاورہ ہے کہ ''سُتے پتر دا منہ کیہ چمناں'' جو بچہ سویا ہوا ہے اس کو پتا نہیں کیا کر رہا ہے لیکن مائیں تو چومتی ہیں اس لئے نہیں کہ ان کو اس بچے کی Appreciation کی احتیاج ہے۔اس لئے کہ وہ حمید ہے ان معنوں میں کہ ان کی صفات حمیدہ اس بچے سے بغیر کسی عوض کے پیار کرنے پر ان کو مجبور کرتی ہیں۔تو وہاں تھوڑی سی جھلکی ماں کی رب اور رحمان خدا سے ہمیں دکھائی دیتی ہے کیونکہ رحمی تعلق کے لحاظ سے انسانی رشتوں میں سب سے قریب تر رشتہ ماں کا بچے سے ہے اور وہاں اس کو یہ

پرواہ نہیں ہوتی کہ بچے کو پتا بھی ہے کہ نہیں۔ کئی مفلوج بچے میں نے ایسے دیکھے ہیں اس سفر کے دوران بھی مجھے دکھائے گئے ان کو کوئی ہوش نہیں تھی، کچھ پتا نہیں تھا ان کو سنبھالنا بہت تکلیف دہ کام تھا مگر مائیں تھیں جو فدا تھیں اور جانتی ہیں کہ اگر یہ فوت ہو جائے تو ہمیں نجات مل جائے گی مگر زندگی کی دعائیں کرتی ہیں۔ یہ حمید صفت کا ایک اظہار ہے لیکن معمولی سا۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے جو تعلق رکھتا ہے احتیاج کے نتیجے میں نہیں، غنی ہونے کے باوجود لیکن انسان ہر تعلق میں اپنے آپ کو یہ نہیں دکھا سکتا کہ میں غنی ہوں پھر بھی تعلق رکھتا ہوں۔ ماں اگر رکھتی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے، کچھ عرصے کے لئے مگر اس میں بھی درجہ کمال کو نہیں پہنچتی اور بسا اوقات جب تک اس کی ضرورتیں پوری کرنے والا بچہ ہو اس وقت تک تعلق رہتا ہے جس حد تک وہ کم ہو جائے اتنا ہی وہ تعلق کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ بعض مائیں کہتی ہیں سب بچے برابر لیکن جو خدمت کر رہا ہے اس سے زیادہ پیار ہوتا ہے جو اور صفات حسنہ اختیار کر کے ماں کا نام روشن کرنے والا ہے اس سے زیادہ پیار ہو جاتا ہے۔ تو اَلْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ کا یہ معنی انسانی لحاظ سے ایک عارضی معنی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جہاں شکر گزار ہے وہاں بندے کی خوبیوں کے لئے ان پر رحمت سے جھک کر ان کو قبول فرماتا ہے مگر احتیاج کی خاطر نہیں۔ اس لئے غنی حمید کا اکٹھا محاورہ خدا کی صفات کو انسانی صفات سے ممتاز کر دیتا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں ورنہ اگر ان اَلْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ کو جوڑ کر نہ پڑھیں تو یہ سوال اُٹھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی تو اپنے انبیاء کی بڑی قدر کرتا ہے اپنے لئے قربانی کرنے والوں کی بڑی قدر کرتا ہے۔ تو ''غنی حمید'' کا اکٹھا محاورہ ہمیں بتا رہا ہے وہ کرتا ہے غنی ہونے کے باوجود، ضرورت نہیں ہے اور اس پہلو سے اس کا تعلق رکھنا اسے اور بھی زیادہ حمید بنا کر دکھاتا ہے یعنی اپنے ایسے بندوں سے تعلق جوڑ لیتا ہے جن کا تعلق اس کی ذات میں اس کی شان میں، اس کی کبریائی میں ایک ذرہ بھی اضافہ نہیں کر سکتا لیکن ان سے جھکتا ہے اور ان کی بڑی شان بیان کرتا ہے یہاں تک کہ نسلاً بعد نسل ان پر درود بھیجتا ہے اور یہ تعلق حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے پھر دوبارہ یاد آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ کے اوپر سلام بھیجا گیا ہے ایسا سلام جو آنے والی نسلیں بھی اس پر بھیجیں گی اور درود شریف میں جو ابراہیمؑ کا نام سلام کے تعلق میں بیان ہوا ہے یہ خدا کے اس وعدے کے پورا کرنے کا ایک نظارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ تو نے میرے ساتھ سلام کا تعلق باندھا ہے میں اس تعلق کی قدر کروں گا اور قیامت تک لوگ تجھ پر سلام بھیجتے رہیں گے۔ پس بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ درود میں ابراہیمؑ کا نام کیوں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام تو سب نبیوں کے لئے آتا ہے یعنی قرآن کریم پڑھ کے دیکھ لیں ہر جگہ سلام لفظ ہے جس کا مطلب ہے کہ سلامتی میں داخل ہوئے تھے تو اس پر سلام بھیجا گیا مگر ایسا سلام کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نام ساتھ بریکٹ کر کے اور کسی نبی کا ذکر نہ کرنا اور صرف ابراہیمؑ کا کرنا یہ ایک ایسی عظیم امتیازی شان ہے جو اسی مکالمے کی یاد دلاتی ہے۔ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جب تیرے رب نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اسلام قبول کر، کہا میں تو اسلام قبول کر چکا ہوں۔ اتنا کامل اسلام جیسا ابراہیمؑ کا تھا کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوا سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے۔ پس ایک دین سلام ابراہیمؑ کا تھا، ایک دین سلام جو اسلام بن کر ابھرا وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دین ہے اور اس کا نکتہ یہی ہے کہ خدا کے سپرد اپنا سب کچھ کر دیا جانتے ہوئے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ خدا کی خدائی میں اس سے ایک ذرے کا بھی اضافہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ابراہیمؑ اگر منہ موڑ لیتا تو خدا کو کیا نقصان پہنچنا تھا مگر دل کی گہرائی سے یہ کہا ہے کہ میں سلام قبول کر چکا ہوں اسلام لے آیا ہوں، تجھے سلام جانتا ہوں۔ تجھ میں اپنا سلام دیکھتا ہوں اور خدا نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلامتی سے اس کا نام رکھا اس قدر بڑھا کر دینے والا ہے وہ۔ تو وہ غنی پھر کیوں نہ ہو۔ جو بظاہر اس کے سپرد ہوتے ہیں یعنی اپنا سب کچھ اس کے سپرد کرتے ہیں۔ ان سے وہ ایسا سلوک فرماتا چلا جاتا ہے کہ وہ ان کی قربانی خدا سے سلوک کے مقابل پر حقیر اور بھی حقیر اور بھی حقیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی کوئی بھی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ جو کچھ ابراہیم کو عطا ہوا ہے اس کے مقابل پر جو ابراہیمؑ نے خدا کو دیا تھا اس کا موازنہ تو کر کے دیکھیں، کچھ نہیں تھا یعنی دنیا کی قدروں کے لحاظ سے اگر ناپا جائے صرف ایک روح کی قدر تھی جو عظیم الشان تھی اور اسی قدر پر خدا نے نظر رکھی اور اسی قدر کے نتیجے میں ظاہری قربانی معمولی ہونے کے باوجود بے انتہا عطا فرمایا۔

پس یہ خدا جو سلام بن کر ابھرتا ہے۔ یہ غنی ہوتے ہوئے حمید ہے یہ نکتہ ہے جو آپ کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہئے۔ اگر آپ کسی سے غنی ہوں اور پھر حمید بھی ہوں تو ایسے شخص سے آپ متکبر نہیں ہو سکتے۔ پس جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سب لوگ اپنی قربانیاں روک لو میرا کچھ بھی نقصان

نہیں کرسکو گے وہاں اپنی رحمانیت کا بھی حوالہ دیتا ہے۔ پس وہ اگلی آیت جس میں یہ مضمون ہے سورہ محمدؐ سے لی گئی ہے۔ آیت 39۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۹

کہ دیکھو! هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ سنو تم وہ لوگ ہو کہ جن کو بلایا گیا ہے اس طرف لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اب هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ سے پتا چلتا ہے کہ اعزاز ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ اے لوگو! تم سوچ نہیں رہے کہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ خدا نے تمہیں چن لیا قربانیوں کے لئے، تمہیں فرمایا کہ تم آؤ، تم سے توقعات رکھیں اور پھر بدنصیب ایسے ہیں تم میں سے فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ کہ تم میں ایسے بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں بخل کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ کو معطی نہیں سمجھتے بلکہ اپنے گھر کی کمائی سمجھتے ہیں۔ اپنے ہاتھ کی ہوشیاری، اپنے ذہن کی چالاکی سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے تو بڑی محنت سے کمایا ہے، بڑے دن رات جاگے ہیں۔ اس کے لئے ہوشیاریاں کیں باقی سب بے وقوفوں کو کیوں نہ دولتیں مل گئیں۔ ہمارے ذہن کی جو بالا دستی ہے، برتری ہے اس نے ہمیں یہ سب کچھ عطا کیا ہے اور وہ آجاتے ہیں چندے مانگنے۔ وہ جب یہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ کہ یاد رکھو جو تم میں سے بخل کرے گا وہ اپنے آپ سے بخل کر رہا ہے خدا سے بخل نہیں کر رہا۔

اس ذات سے تعلق توڑ رہا ہے جو دینے والی ہے۔ جب اس کے سامنے تم سر اُٹھاؤ گے تو دو باتوں میں سے ایک چیز ضرور ہوگی اور یہ بخل کرنے کا جو مضمون ہے یہ دو طرح سے کھلتا ہے۔ اول یہ کہ ایسے شخص کی دولت اس کو کبھی سکون نہیں پہنچا سکتی۔ ہزار قسم کی آلائشیں لگ جاتی ہیں۔ اس دولت میں، کئی قسم کے نقصانات، کئی قسم کی فکر، کئی قسم کی بددیانتیاں اور پھر حکومت کی پکڑ کا خوف اور مصیبتیں اور اولاد کی برکت جاتی رہتی ہے، گھروں کے سکون اُٹھ جاتے ہیں اور ایسی دولت کے متعلق سمجھ نہیں آتی کہ اس سے سکون کیسے خریدا جائے کیونکہ جو بخل ہے، جو خدا سے بخل کرتا ہے وہ دنیا میں بھی بخیل

ہو جاتا ہے اور اس کی دولت ایسی ہے جیسے بنک میں جمع ہے۔ اس سے اس کو کوئی بھی فائدہ نہیں تو ایک تو یہ طریق ہے۔ جس سے خدا بتاتا ہے کہ تم دراصل اپنے خلاف بخل کرتے ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کو بچانا ہو تو اس کی دولت میں کمی آنی شروع ہو جاتی ہے اسے نقصان کے ابتلاء آتے ہیں اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر بڑی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے آزمائش جو اپنے کسی بندے کی نیکی کی وجہ سے اس کو بچانے کی خاطر آتی ہے اسی میں اس کی نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بتاتا ہے کہ اس دولت میں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ اگر اس ٹھوکر سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے تمہاری توجہ خدا کی طرف ہو جائے تو یہ کوئی بُرا سودا نہیں ہے۔ ساری دولتیں دے کر بھی اگر اللہ مل سکے تو یہ بہت اچھا سودا ہے۔ اسی طرح آزمائشیں بعض دفعہ جسمانی، جانی نقصانات کے ذریعہ انسان کو لاحق ہوتی ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ اس میں اللہ کا کیا حرج تھا ہمارا بچہ زندہ رہتا۔ ہمارا فلاں زندہ رہتا تو دراصل وہ بخل وہاں دکھاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ یہ سب عطا خدا کی تھی اپنے ہاتھ سے کچھ بھی نہیں کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں سب سے بڑے عارف باللہ پیدا ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں سب خدا کی عطاؤں کا ذکر کر کے۔

سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے (درثمین:۳۶)

عظیم مضمون ہے کہ جو کچھ بھی ہے اگر تیری راہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو وہ کیا ہے کہاں سے لے کے آئے تھے، تو نے ہی عطا کیا تھا۔

پس ایسا شخص جس کی ہر وقت خدا پر یہ نظر ہو کہ جو کچھ عطا ہوا ہے تو نے کیا ہے اپنے گھر سے ہم کچھ نہیں لائے۔ ایسا شخص کبھی بھی خدا کے حضور بخیل نہیں ہو سکتا اور جب وہ بخیل ہوتا ہے تو پھر اللہ خود رحمت کا سلوک فرماتا ہے اور سب کچھ نہیں مانگتا۔ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:4) کہ جو کچھ بھی ہم نے انہیں عطا کیا ہے ہم سارا ان سے واپس نہیں مانگتے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اس میں سے کچھ واپس مانگتے ہیں تا کہ دیکھیں کہ وہ احسان فراموش تو نہیں، وہ بھول تو نہیں گئے کہ کس ذات نے ان کو دیا تھا اور پیش کرتے وقت کس طرح پیش کرتے ہیں۔ یہ ساری آزمائشیں مومن کے اسلام کی آزمائشیں ہیں دراصل جن میں وہ

اپنی جہالت کی وجہ سے بسا اوقات پورا نہیں اُترتا ہے تو کئی قسم کے ابتلاؤں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کا بخل جو خدا کی طرف سے ہو رہا ہے وہ دراصل اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اے بیوقوفو! اللہ تو غنی ہے تمہارا ہاتھ روک لینا اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا تم فقراء ہو۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اگر تم سارے کے سارے بھی پھر جاؤ تو وہ اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ وہ تمہاری جگہ ایک اور قوم لے آئے ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے یعنی کام تو اللہ کے پورے ہونے ہیں یعنی تم نہیں کرو گے اور قوم آجائے گی۔ ایک خاندان نہیں کرے گا تو دوسرے خاندان اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ جو قانون ہے یہ ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ تاریخ مذاہب پر غور کرتے ہوئے آپ کو ایک بھی استثناء دکھائی نہیں دے گا۔ جب بھی کسی قوم نے استغناء کیا ہے خدا کے پیغام سے اور اس کی مدد سے منہ پھیرا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اور قوموں کو لے آیا ہے اور پھر ویسے نہیں ہوئیں جیسا کہ پہلی ناشکری قوم تھی اور ایسا خاندانوں کا حال ہے ایسا ہی افراد کا حال ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (الانعام:134) اللہ تو غنی ہے مگر شقاوت قلبی کی وجہ سے نہیں ہے اس لئے وہ لوگ جو غنی بنتے ہیں نظام کی نمائندگی میں ان کے لئے لازم ہے کہ ان کی غناء اپنے نفس کی شقاوت کی وجہ سے نہ ہو۔ بے پرواہی کی وجہ سے نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں جائے جہنم میں جو مرضی ہو ہمیں تو پرواہ کوئی نہیں۔ ہم تو نمائندہ ہیں نظام کے اور اللہ کا نظام ہے۔ یہ غنی کے معنے نہیں ہیں۔ اللہ اپنی مثال دیتا ہے۔ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ تیرا رب غنی ہے اور اس کے باوجود رحمت والا ہے۔ رحمت والا ہونے کے باجود غنی ہے

پس جہاں بھی ان دونوں صفات کا تصادم ہوگا وہاں آپ صفات باری تعالیٰ سے دور ہٹ چکے ہوں گے اور کوئی ایسا زندگی میں نظام جماعت کے کارکنوں کے لئے لمحہ نہیں آنا چاہئے جس میں ان کی غناء جو اللہ کی طرف سے نظام جماعت کی خاطر ہو، وہ ان کی شقاوت قلبی کی وجہ سے ہو، رحمت کی وجہ سے ہونی چاہئے۔ جس کا مطلب یہ ہے ایسے لوگوں کو ذلت کے ساتھ نہیں دیکھتے، گھٹیا نہیں سمجھتے، اپنے سے ادنیٰ نہیں سمجھتے بلکہ ان پر رحم کرتے ہیں اور رحم کی نظر ڈالتے ہیں کہ یہ بے چارے محروم ہیں۔ ان کو پتا

نہیں کہ کس چیز سے محروم ہیں اس لئے نیکی کا جو تکبر ہے وہ ان کو برباد نہیں کر سکتا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ ایک پل صراط ہے جس پر ہم روزانہ چلتے ہیں لیکن جانتے ہیں کہ یہاں کا پل صراط ہی ہے جو ہماری آئندہ کی تقدیر کے فیصلے کر رہا ہے۔ نظام جماعت کے احترام اور اس کی عزت کے لئے سر بلند رہنا اور غیر اللہ کے سامنے نہ جھکنا یہ غناء ہے۔ مگر ایسے لوگوں سے جو بے چارے محروم رہ گئے تکبر سے پیش آنا ان کو اپنے سے گھٹیا اور ادنی سمجھنا یہ رحمت کے خلاف ہے اور انکسار کے بھی خلاف ہے جو رحمت سے پیدا ہوتا ہے اور یہ ایک انکسار ہے جو کمزوری سے پیدا ہوتا ہے اس انکسار کی کوئی قیمت بھی نہیں۔

ایک انکسار ہے جو رحمت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ کا اپنے بندے پر جھکنا ایک قسم کا انکسار ہے جو رحمت سے پھوٹتا ہے۔ تو فرمایا غنی ہونے کے باوجود دیکھو وہ کس طرح رحمت کا سلوک فرماتا ہے۔ کس طرح اپنے بندوں پر جھکا رہتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی غنا کسی شقاوت یعنی سختی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس کی شان ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔

اب یہ دوسرا معاملہ ہے جو سب اس کے محتاج ہیں۔ اگر خدا غنی ہے اور کسی کا محتاج نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ سب تعلق توڑ لے تو دوسرے بھی اس کے محتاج نہیں رہیں گے۔ مرکھپ کے ختم ہو جائیں گے۔ تو یہ دوسرا مضمون ہے کہ ہر چیز اس کی محتاج ہے یہ رحمت سے پھوٹتا ہے۔ اس کی رحمت عامہ ہے جو ہر ذات کو اپنا محتاج کئے ہوئے ہے اور اس کی رحمانیت ہے جو تمام بنی نوع انسان پر، خشک و تر برابر اثر کر رہی ہے۔ تو عجیب شان ہے کہ غنی بھی ہے اور رحمان بھی ہے۔ ایک لحاظ سے مستغنی ہے ہو کر جانتا ہے کہ ان مخلوقات کا مجھ سے تعلق توڑنا ذرہ بھر بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے باوجود ان سے رحم کا سلوک بھی فرماتا ہے۔ بعض دفعہ ایسے لوگوں کے اموال پر بھی برکت پڑ رہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک عارضی برکت ہے۔ اس کی رحمانیت کے نتیجے میں ہے مگر غنی سے تعلق توڑنے کے نتیجہ میں جو سزا مقدر ہے وہ رک نہیں سکتی وہ اپنی جگہ کارفرما ہوگی لیکن وہ بندے جو نظام جماعت کی نمائندگی کرتے ہیں ان کے لئے اس میں گہرا سبق ہے کہ ان لوگوں سے تکبر کا سلوک نہ کریں۔ رحم کا سلوک کریں۔ ان کے لئے دعائیں کریں ان کو سمجھائیں اور اگر نہیں سمجھتے تو یہ یقین رکھیں کہ ذرہ بھر بھی آپ کا نقصان نہیں کر سکتے، نظام جماعت کا نقصان نہیں کر سکتے ہاں ان کو بچانے کے لئے آپ

جو کوشش کرتے ہیں وہ ان کو خدا کا محتاج بنائے رکھتا ہے لیکن اگر یہ حرص ہو کہ ان کے آنے سے ہمیں فائدہ پہنچے گا تو یہ نحوست ہے یہ رحمت نہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ رحمت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان سے چشم پوشی کی جائے۔ ان کو سزا نہ ملے۔ نظام جماعت عمل میں نہ آئے یعنی سرگرم عمل نہ ہو اور ان کو اس لئے چھوڑ دے کہ یہ لوگ صاحب رسوخ ہیں، صاحب دولت ہیں صاحب عظمت ہیں، یہ شرک ہے، یہ رحمت نہیں۔

رحمت کا مطلب ہے کہ دوسرے شخص کی کوئی بھی احتیاج نہیں ہے۔ پھر بھی آپ اس کا بھلا چاہتے ہیں اور یہ رحمت جو ہے یہ تو آفرینش سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی۔ جو آغاز ہوا ہے کائنات کا اس سے پہلے ہی خدا رحمان تھا اور جو بلو پرنٹ ہے کائنات کی تخلیق کا اس میں رحمانیت جلوہ گر ہوئی ہے اس وقت سوائے رحمانیت کے کوئی اور صفت کارفرما تھی تو اس جہان میں نہیں اور دوسرے جہانوں میں ہوگی۔ یعنی یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ خدا کی تمام صفات کسی وقت معطل تھیں لیکن جلوہ گر تھیں تو دوسرے جہانوں میں تھیں۔ جو جہان پیدا نہیں ہوئے اس میں اگر جلوہ گر ہوئی ہیں تو رحمانیت کے تابع یعنی رحمانیت کے تابع ایسا نقشہ تشکیل دیا گیا جس کا فیض آئندہ آنے والی مخلوقات کو پہنچانا تھا تو سب صفات کام کر رہی ہیں لیکن رحمانیت کے تابع۔ براہ راست کسی صفت کے ساتھ تعلق نہیں رکھ رہیں اور یہی معنی ہیں کہ رحمانیت تمام صفات پر غالب ہے۔

تو اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق عطا فرمائے کہ ان ذمہ داریوں کو سمجھے۔ میں پھر یہ یقین دلاتا ہوں نظام جماعت کو کہ اگر وہ غنی ہیں اور رحیم بھی رہیں رحمان بھی رہیں تو ان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بے دھڑک نظام جماعت پر عمل کریں ایک ادنیٰ بھی غیر اللہ کا خوف نہ رکھیں۔ کوئی بڑا جدا ہو کر آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکا۔ لیکن آپ اگر بڑے بنیں گے تو اپنے آپ کو نقصان پہنچائیں گے اس لئے ان کے جواب میں رحمت اور انکسار کا تعلق قائم رکھیں باقی باتیں خدا پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ نظام جماعت کو سلام کے دائرے میں اس کے سائے میں، اس طرح داخل فرما دے کہ نظام جماعت کا ایک ذرہ بھی سلام کی حفاظت سے باہر نہ رہے۔ آمین